© rasailojaraid.com

علمائے ہند کی کلامی خدمات

از
(جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ بی ٹی ایچ۔ رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی یوپی)

(۳)

تصنیف و تالیف کا آغاز: تاریخ ادبِ عربی کا یہ دلچسپ مسئلہ ہے کہ سب سے پہلے عربی زبان میں تصنیف و تالیف کی بنیاد کس نے ڈالی۔ اس سلسلے میں سندھ کا یہ دعویٰ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عربی ادب کے پہلے مصنف کا نام سندھ سے وابستہ ہے اگرچہ بعض لوگوں کی رائے میں امام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج البصری (المتوفی ۱۶۵ھ) اور بعض کی رائے میں ابو النضر سعید بن عروبہ (المتوفی ۱۵۶ھ) عربی زبان کے پہلے مصنف ہیں مگر ابو محمد الرامہرمزی کے قول کے مطابق یہ شرفِ اولیت ربیع بن صبیح (المتوفی ۱۶۰ھ) کو حاصل ہے[۱] طبری نے لکھا ہے کہ عبد الملک بن شہاب المسمعی کے ساتھ ملک سندھ میں رضاکارانہ طور پر جو لوگ جہاد کرنے گئے تھے اُن میں ربیع بن صبیح بھی تھے۔ ربیع نے سندھ ہی میں وفات پائی۔ اس طرح سندھ کی خاک پاک کو یہ شرف حاصل ہے کہ عربی زبان کا پہلا مصنف اُس کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو رہا ہے۔

لیکن علم کلام؟: ملحوظات بالا سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سندھ نے اسلامی علوم کے ارتقار میں بڑا اہم کردار انجام دیا ہے۔ مگر اس دور میں ملک سندھ کے اندر علمِ کلام کے سلسلے میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اہلِ سندھ بڑے صحیح العقیدہ تھے۔ یہ چیز کسی نہ کسی صورت میں ۳۷۵ھ تک جب کہ مقدسی نے سندھ کا سفر کیا باقی رہی چنانچہ وہ یہاں کی مذہبی حالت کے بارے میں لکھتا ہے۔

انھم علی طریقۃ مستقیمۃ ومذاھب محمودۃ وصلاح وعفۃ قد ارا حھم	یہ لوگ طریق مستقیم پر گامزن ہیں اور اچھے مذاہب در صلاح و پاکدامنی کے ساتھ متصف ہیں اللہ تعالیٰ نے

[۱] کشف الظنون جلد اول ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ من الغلو والعصبیۃ والھرج والفتنۃ[1]

انھیں غلو و افراط، عصبیت، ہرج و مرج اور فتنہ پردازی سے نجات دے دی ہے۔

معاشرتی حالات میں وہ بحران پیدا نہ ہوا تھا جس کے معالجے کے لئے کلامی جدال کی ضرورت ہو۔ خود مرکز اسلام میں علم کلام کو کوئی مقبولیت حاصل نہ تھی بلکہ متکلمین کی سرگرمیاں زجر و توبیخ کا نشانہ بنی ہوئی تھیں امام ابو یوسف کا حسب ذیل قول کلام کی مذمت میں مشہور ہے۔

"من طلب الدین بالکلام تزندق ومن طلب المال بالکیمیاء افلس ومن حدث بغرائب الحدیث کذب"[2]

اسی قسم کی روایت شعبی اور مالک بن انس سے بھی کی گئی ہے کیوں کہ حسب تصریح امام ابو بکر البیہقی ان حضرات کے زمانے میں کلام کا مصداق اہل بدعت کی بد دینیاں تھا۔ اہل سنت اس کے ساتھ شاید ہی اعتنا کرتے ہوں۔

"قال ابو بکر البیہقی وروی ھذا ایضاً عن مالک بن انس قال وانما یرید واللہ اعلم بالکلام کلام اھل البدع فان فی عصرھما انما کان یعرف بالکلام کلام اھل البدع فاما اھل السنۃ فقلما کانوا یخوضون فی الکلام حتی اضطروا الیہ"[3]

یہی نہیں بلکہ اس زمانہ میں اہل دین متکلمین کے ساتھ مناظرہ کرنا بھی دینداری اور ثقاہت کے منافی سمجھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل پر جب دربار مامون میں معتزلہ زبان درازی کے اندر غالب آگئے تو ضرورت تھی کہ علمائے اہل سنت والجماعت دربار خلافت میں جاتے اور جا کر معتزلہ سے بحث کرتے مگر ان لوگوں نے جانا پسند نہیں کیا اور انھیں کی اس احتیاط کی بنا پر امام احمد بن حنبل کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔ چنانچہ ابن عساکر نے قاضی ابو بکر الباقلانی سے اس شکوہ کی روایت کی ہے۔

"قال ابن کلاب والمحاسبی ومن کان فی عصرھما من المتکلمین ان

ابن کلاب اور محاسبی اور اُن کے ہم عصر متکلمین نے کہا کہ ہم مامون کے دربار میں نہیں جائیں گے یہاں تک کہ

---

[1] احسن التقاسیم للمقدسی ص ۳۶۲ [2] تبیین کذب المفتری لابن عساکر ص ۳۳۳ [3] ایضاً ص ۳۳۴

© rasailojaraid.com

المامون لا نحضنّ مجلسہ حتی ساق احمد الی طرسوس ثم مات المامون وردوہ الی المعتصم فامتحنہ وضربہ وہؤلاء اسلموہ ولو مرّوا الیہ وناظروہ لکفوہ عن ھذا الامر فانہ کان بین علماء القوم لیست لہم حجۃ علی دعاویہم فلو مرّوا الیہ وبیّنوا للمعتصم لارتدع المعتصم ولکن اسلموہ فجری علی احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ماجری[1]

امام احمد بن حنبل طرسوس کو گئے۔ کچھ دن بعد مامون الرشید کا انتقال ہو گیا اور لوگ انھیں معتصم باللہ کے پاس لے گئے۔ اُس نے اُن سے قرآن کے مخلوق ہونے کا اعتراف کرنے کا حکم دیا مگر انھوں نے انکار کر دیا اس پر اُنھیں مارا مگر ابن کلاب محاسبی وغیرہ نے (کچھ پروانہ کی اور) اُنھیں اُس کے سپرد کر دیا۔ اگر یہ لوگ اُس کے پاس جاتے اور اُس سے بحث و مناظرہ کرتے تو پھر وہ ایسا نہ کرتا کیوں کہ اُس کا خیال تھا کہ ان لوگوں کے پاس اپنے موقف کی تائید میں کوئی دلیل و حجت نہیں ہے لہٰذا اگر یہ لوگ اُس کے پاس چلے جاتے اور معتصم کے سامنے دلائل بیان کر دیتے تو وہ ضرور باز رہتا مگر انھوں نے تو گویا احمد بن حنبل کو اُس کے سپرد کر دیا پس اُن پر جو کچھ بیتی وہ بیتی۔

اس عام نفرت و بیزاری کا نتیجہ یہ تھا کہ علم کلام کے ساتھ مشغولیت دنیا کا بدترین گناہ تصور کی جاتی تھی۔ امام شافعیؒ جو خود کسی زمانے میں ابوالہذیل العلاف کے شاگرد رہ چکے تھے اور علم کلام کے خوب واقف تھے، فرماتے ہیں

لان یبتلی المرء بکل ما نہی اللہ عنہ سوی الشرک خیر لہ من الکلام ولقد اطلعت من اہل الکلام علی شیء ما ظننت ان مسلماً یقول ذلک[2]

اگر آدمی شرک کے سوا ہر گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اُس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام میں مشغول ہو اور میں متکلمین کے ایسے اقوال پر مطلع ہوا ہوں کہ میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان ایسا کہے۔

---

[1] تبیین کذب المفتری لابن عساکر ص ۱۱۹-۱۲۰ [2] ایضاً ص ۳۳۵

© rasailojaraid.com

امام شافعی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علم کلام کی مشغولیت کے لئے نہایت توہین آمیز سزا مقرر کی
امام ابن تیمیہ نے رسالہ تسعینیہ میں اُن کا قول نقل کیا ہے :۔

حکمی فی اھل الکلام ان یضربوا بالجرید	متکلمین کے متعلق میرا فتویٰ یہ ہے کہ اُنھیں چھڑیوں اور
والنعال ویطاف بھم فی القبائل	جوتوں سے پیٹا جائے اور قبیلے قبیلے اُن کی تشہیر کی جائے
والعشائر ویقال ھذا جزاء من	اور کہا جائے کہ یہ اُس شخص کی سزا ہے جس نے کتاب اللہ
ترک الکتاب والسنۃ واقبل	اور سنت رسول کو چھوڑ کر علم کلام پر توجہ کی ۔
علی الکلام ؎	

اس سخت گیرانہ دار و گیر کے بعد خود مرکز خلافت میں جہاں ہر قسم کے مکاتیب فکر کو آزادی کے ساتھ اپنے اپنے خیالات کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت تھی علم کلام کو مقبولیتِ عامہ حاصل ہونے کا کوئی موقعہ نہ تھا اس کے بعد خلافت اسلامیہ کے دور دراز صوبوں میں کلامی سرگرمیوں کے فروغ کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ ابھی ثقافتی اقدار اور معاشرتی خوب و ناخوب کے معیار میں تبدیلی کے لئے ایک قرن درکار تھا۔ اگلی صدی میں اہلِ سنت والجماعت تک میں علم کلام کو خاص طور پر مقبولیت حاصل ہو گئی اور فرقوں میں تو پہلے ہی سے رواج تھا۔ اس تبدیلی سے دوسرے صوبے بھی متاثر ہوئے ۔ جہاں تک سندھ کا تعلق ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے ۔

باایں ہمہ دیگر علوم و فنون کی طرح علم کلام کے آغاز و ارتقار کے ساتھ بھی سندھ کا نام وابستہ ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ کلامی تفکیر کے قدیم نمایندے معتزلہ تھے اور معتزلی مکتبِ فکر کا قدیم ترین نمایندہ [بلکہ اکثر مورخین کے نزدیک اُس کا بانی] واصل بن عطار تھا۔ اس واصل بن عطار کا دست راست عمرو بن عبید تھا جو معتزلہ کے فرقہ عمریہ کا بانی ہے چنانچہ عبد القاہر بغدادی نے الفرق بین الفرق میں لکھا ہے

"ذکر العمریۃ منھم وھم اتباع عمرو بن عبید بن باب " (الفرق بین الفرق ص۱۰۱)

یہ عمرو بن عبید سندھ ہی کا ایک نامور فرزند تھا جس کا دادا موالی کے زمرے میں کابل سے عراق لے جایا گیا تھا۔

؎ رسالہ تسعینیہ لابن تیمیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسعودی لکھتا ہے

"وهو عمرو بن عبيد بن رباب مولى بني تميم وكان جده رباب من سبي كابل من رجال السند - وكان شيخ المعتزلة ومفتيها وله خطب ورسائل"

(مروج الذہب ومعادن الجوہر برحاشیہ کامل ابن اثیر جلد ہشتم ص۹۰)

عمرو بن عبید غالباً شروع میں واصل بن عطاء کا حریف تھا اور اُس سے اُس کے مناظرے کبھی ہوا کرتے تھے۔ ابن الندیم لکھتا ہے کہ واصل کی گردن اُٹھی ہوئی تھی۔ ایک دن عمرو بن عبید سے اُس کا مناظرہ ہونے والا تھا تو عمرو بن عبید نے کہا "انی اری عنقا لا یفلح صاحبها" واصل نے اس پر اُسے سرزنش کی بہر حال مناظرہ ہوا اور واصل غالب آیا۔ (الفہرست لابن الندیم تکملہ ص۱)

بعد میں عمرو بن عبید واصل کا ارادتمند بلکہ شاگرد ہو گیا تھا چنانچہ شہرستانی لکھتا ہے۔

"نسج على منوالهم (القدرية) واصل بن عطاء الغزال وكان تلميذ الحسن البصري وتلمذ له عمرو بن عبيد وزاد عليه في مسائل القدر" (الملل والنحل جلد اول ص۱۲)

اسی طرح اُس نے "المنزلة بين المنزلتين" کے باب میں واصل کا تتبع کیا چنانچہ شہرستانی آگے چل کر لکھتا ہے

"وتابع على ذلك عمرو بن عبيد بعد ان كان موافقا له في القدر والصفات"

(الملل والنحل جلد اول ص۲۳)

اور فریقین جنگ جمل کے تخطئہ کے بارے میں تو وہ واصل سے بھی بڑھ گیا۔ واصل تو یہی کہتا تھا کہ فریقین میں سے ایک خطا پر ہے (یہ نہیں معلوم کون) لہذا اُس کے نزدیک اگر حضرت علی اور طلحہ (یا زبیر) رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی معاملے میں شہادت دیں تو یہ شہادت نافذ نہ ہو گی کیوں کہ ان میں سے ایک شاہد مجروح ہے لیکن عمرو بن عبید دونوں فریقوں کا تخطئہ کرتا تھا۔ شرح مواقف میں ہے۔

"والفق العمرية اصحاب عمرو بن عبيد والواصلية اصحاب واصل بن عطاء على رد شهادة الفريقين قالوا لو شهدا الجميع على باقة بقل لم نقبلها اما العمرية فلانهم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یرون فسق الجمیع من الفریقین واما الواصلیة فلانهم یفسقون احد الفریقین لابعینه۔"

عمرو بن عبید پہلے یزید ناقص کے داعیوں میں سے تھا مگر انقلابِ خلافت کے بعد ابو جعفر منصور کا طرفدار بن گیا تھا شہرستانی لکھتا ہے۔

"وکان عمرو من دعاة یزید الناقص ایام بنی اُمیة ثم والی المنصور وقال بامامته۔"

(الملل والنحل ص۱۲)

خلیفہ منصور بھی اُس کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا مسعودی نے لکھا ہے کہ ایک دن وہ ابو جعفر منصور کے دربار میں آیا۔ خلیفہ نے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ بٹھایا اور اُس سے وعظ و نصیحت کی درخواست کی۔ وعظ کے بعد جب عمرو جانے لگا تو خلیفہ نے اُسے دس ہزار کی رقم پیش کی مگر عمرو نے باوجود منصور کے اصرار کے قبول نہیں کی۔ جب وہ چلا گیا تو خلیفہ نے اُس کی بے نیازی سے متاثر ہو کر کہا

"کلکم یمشی روید   کلکم یطلب صید   غیر عمرو بن عبید

(مروج الذہب برحاشیہ ابن الاثیر جلد ہشتم ص۹۰)

شہرستانی بھی اُس کے زہد و تقویٰ کا معترف ہے۔

"وکان عمرو من رواة الحدیث معروفا بالزهد۔" (الملل والنحل ص۱۲)

مگر عبد القاہر بغدادی کو اُس میں گمراہی و ضلالت کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ واصل کی بدعتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وانضم الیه قرینه فی الضلالة عمرو بن عبید بن باب کعبد صهر لغیة امه فقال الناس یومئذ فیهما انهما قد اعتزلا قول الامة وسمی اتباعهما من یومئذ معتزلة ثم انهما اظهرا بدعتهما فی المنزلة بین المنزلتین وضما الیها دعوة الناس الی قول القدریة علی رأی معبد الجهنی۔"

(الفرق بین الفرق ص۹۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کا قیام

سندھ عرصے سے نزاری و قحطانی تعصب کی خانہ جنگی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ مرکزِ خلافت سے جو گورنر بھی بھیجا گیا ناکام رہا۔ اُدھر معتصم باللہ نے جن ترکوں کو بے دریغ روپیہ خرچ کرکے استحکامِ سلطنت کے لئے پرورش کیا تھا، اُن کی ترک گردی نے خود قصرِ خلافت کی بُنیادیں ہلادیں۔ ۲۳۲ھ میں متوکل باللہ سریر آرائے خلافت ہوا اور پندرہ سال بعد معتصم کی اس ترک نوازی کا پہلا شکار ہوا ظاہر ہے جب مرکزِ خلافت ہی خود ضعف و اختلال سے دوچار ہو تو دور دراز صوبوں پر اقتدار کس طرح قائم رہ سکتا تھا۔ سندھ کا ایک مقامی رئیس عمر بن عبدالعزیز الہباری اتنا طاقتور ہو چکا تھا کہ حکام بھی اس سے دبتے تھے۔

آخری گورنر جو دربارِ خلافت سے سندھ بھیجا گیا وہ ہارون بن ابی خالد مروزی تھا۔ اُس سے پہلے سندھ ایتاخ کی ولایت میں تھا جس کی جانب سے عنبسہ وہاں کا عامل تھا[1] جب ۲۳۴ھ میں ایتاخ معتوبِ بارگاہ ہوا تو عنبسہ بھی سندھ سے بھاگ آیا اور متوکل نے اُس کے بجائے ہارون کو سندھ کا والی مقرر کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے۔

"ولما بلغ عنبسة بن اسحاق عامل ایتاخ علی السند الخبر سار الی العراق فولّی المتوکل مکانه هارون بن ابی خالد"[2]

جب عنبسہ بن اسحاق کو جو ایتاخ کی جانب سے سندھ کا عامل تھا ایتاخ کی گرفتاری اور تعذیب و قتل کی خبر ملی تو وہ سندھ سے عراق کے لئے بھاگ نکلا اور متوکل نے اُس کے بجائے ہارون بن ابی خالد مروزی کو سندھ کا والی مقرر کیا۔

لیکن ہارون سندھ کی بدنظمی فرو کرنے میں قطعاً ناکام رہا اور ۲۴۰ھ میں اُس کی وفات پر عمر بن عبدالعزیز الہباری نے متوکل سے سندھ کی حکومت کی درخواست کی۔ یعقوبی لکھتا ہے

وتوفی هارون بن ابی خالد عامل

ہارون بن ابی خالد والی سندھ ۲۴۰ھ میں مرگیا اور

---

[1] تاریخ ابن واضح الیعقوبی جلد دوم ص۵۹۹ [2] ایضاً ص۵۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

السند سنہ ۲۷۰ وکتب عمر بن عبد العزیز السامی المنتمی الی سامہ بن لوی وھو صاحب البلد ھنالک انہ ان ولی البلد فاقام بہ ضبطہ فاجابہ الی ذلک فاقام طول ایام المتوکل۔[1]

عمر بن عبد العزیز سامی نے جو سامہ بن لوی کی جانب منسوب ہے اور جو منصورہ پر قابض ہو گیا تھا، متوکل کو لکھا کہ اگر وہ سندھ کا والی بنا دیا جائے تو اس کا بڑی خوش اسلوبی سے انتظام کرے گا۔ متوکل نے (مجبوراً) اُس کی درخواست منظور کر لی پس وہ متوکل کی زندگی بھر وہاں کا حاکم رہا

اس طرح متوکل نے مجبور ہو کر عمر بن عبد العزیز اہباری کو سندھ کا نیم خود مختار حکمران تسلیم کر لیا اور ہندوستان میں پہلی مستقل اسلامی سلطنت کا قیام ظہور میں آیا۔

ہباری خاندان | اس خاندان کا پہلا فرمانروا عمر بن عبد العزیز تھا۔ اُس کے آباؤ اجداد حکم بن عوانہ الکلبی کے ساتھ سندھ میں آئے تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے۔

"وکان جد عمر ھذا ممن قدم السند مع الحکم ابن عوانۃ الکلبی"[2]

اور اس عمر (بن عبد العزیز اہباری) کا دادا حکم بن عوانہ کلبی کے ہمراہ سندھ آیا تھا۔

وہ بڑا سیاس و مدبر تھا اور نہایت کامیابی سے تقریباً ۲۷۰ ہجری تک حکومت کرتا رہا۔ ۲۷۰ھ میں سندھ کے تخت پر اُس کا بیٹا عبد اللہ بن عمر متمکن نظر آتا ہے کیوں کہ اسی سال الرور کے راجہ مہروک بن رایک نے اُس سے درخواست کی کہ سندھی زبان میں اسلام کی تعلیمات لکھ کر اُسے بھیجی جاویں۔ اس طرح پہلی مرتبہ سندھ کے اندر علم کلام (عقائد) کی کتاب لکھی گئی۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ عبد اللہ بن عمر نے تیسری صدی کے اختتام تک غالباً حکومت کی۔ اُس کے بعد اُس کا جانشین عمر بن عبد اللہ اہباری ہوا۔ تخت نشینی کی صحیح تاریخ تو نہیں معلوم مگر مسعودی نے ۳۰۳ھ میں اُسے سندھ کا حکمراں پایا۔ مسعودی ہندوستان میں ۳۰۳ھ میں آیا تھا جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے "وراَیت مثل ذلک ببلاد کنبایہ (کھمبات) من ارض الھند وکان دخولی الیھا فی سنہ ثلاث وثلثمائہ"[3]

---

[1] تاریخ ابن واضح الیعقوبی جلد دوم ص۵۹۹ [2] فتوح البلدان ص۴۴۵ [3] مروج الذہب و معادن الجوہر جلد اول ص۱۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سال وہ منصورہ پہنچا جہاں عمر بن عبد اللہ اہباری تخت حکومت پر متمکن تھا۔ اُس کا وزیر زیاد تھا اُس نے یہ بھی دیکھا کہ سندھ میں سادات کے بہت سے معزز خاندان آباد تھے چنانچہ لکھتا ہے:

وکذلک کان دخولی الی بلاد المنصورۃ فی ھذا الوقت والملک علیھا ابو المنذر عمر بن عبد اللہ ورأیت بھا وزیرہ زیاداً وابنیہ محمداً وعلیا۔ ورأیت بھا رجلا سید أمن العرب وملکا من ملوکھم وھو المعروف بحمزہ وبھا خلق من ولد علی بن ابی طالب رضی اللہ من ولد عمر بن علی وولد محمد بن علی وبین ملوک المنصورۃ وبین ابی الشوارب القاضی قرابۃ وصلۃ لنسب وذلک ان ملوک المنصورۃ الذین الملک فیھم فی وقتنا ھذا من ولد ھبار بن الاسود ویعرفون ببنی عمر بن عبد العزیز القرشی ولیس ھو عمر بن عبد العزیز الاموی۔[1]

اسی طرح منصورہ میں بھی میں اسی زمانے میں پہنچا۔ وہاں کا بادشاہ ابو المنذر عمر بن عبد اللہ تھا میں نے وہاں اُس کے وزیر زیاد اور اُس کے بیٹوں محمد اور علی کو بھی دیکھا۔ میں ایک اور معزز عرب سے بھی ملا جس کا نام حمزہ ہے۔ یہاں سادات کی ایک بہت بڑی جماعت آباد ہے جو عمر بن علی اور اور محمد بن علی کی اولاد میں سے ہے منصورہ کے شاہی خاندان اور قاضی (ابن) ابی الشوارب کے خاندان میں رشتہ داری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ منصورہ کے حکمران جن کے قبضہ میں آج کل وہاں کی حکومت ہے ہبار بن الاسود کی اولاد میں سے ہیں اور بنی عمر بن عبد العزیز القرشی کہلاتے ہیں۔ یہ عمر بن عبد العزیز القرشی خلیفہ عمر بن عبد العزیز الاموی نہیں تھا۔

عمر بن عبد اللہ اہباری بڑا قابل اور مدبر تھا اُس نے زمین کی آباد کاری پر خصوصی توجہ دی تھی سارا صوبہ سر سبز و شاداب تھا۔ اُس کے حیطۂ اقتدار میں تین لاکھ گاؤں تھے۔ مسعودی لکھتا ہے

"وجمیع ما للمنصورۃ من الضیاع — منصورہ میں تین لاکھ گاؤں تھے ہر ایک میں کھیت

[1] مروج الذہب ومعادن الجوہر جلد اول ص ۲۴۳ - ۲۴۴ (برحاشیہ ابن الاثیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والقری ممایضاف الیھا ثلثمائة الف قریة ذات زروع واشجار وعمائر متصلة [1]	اور باغات تھے اور آبادیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔

لیکن عمر بن عبداللہ کے بعد ہباری خاندان کمزور ہوگیا اور اکثر علاقے اس خاندان کے تصرف سے نکل گئے پھر بھی ۳۷۵ھ کے بعد تک منصورہ پر انھیں کی حکومت رہی کیوں کہ مقدسی جس نے ۳۷۵ھ میں سندھ کا سفر کیا تھا لکھتا ہے

« واما المنصورة فعلیھا سلطان من قریش یخطبون للعباسی » [2]	منصورہ (سندھ خاص) میں قریشی (ہباری) خاندان کی حکومت تھی جو عباسی خلفاء کا خطبہ پڑھتے تھے۔

غالباً چوتھی صدی کے آخر میں ہباری خاندان کی حکومت ختم ہوگئی اور قرامطہ کی (اسمٰعیلی) حکومت قایم ہوئی جس کا آخر کار محمود غزنوی نے خاتمہ کردیا۔

ملتان اور اسمٰعیلی دعاۃ کا پروپگنڈا اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ ۱۱۱ھ میں جنید بن عبدالرحمن المری کے سندھ سے خراسان تبدیل ہوجانے کے بعد ملتان کا علاقہ سندھ کی بالادستی سے خارج ہوگیا تھا مگر غالباً یہاں آخر تک مسلمانوں ہی کی حکومت رہی۔ ۳۰۳ھ میں مسعودی یہاں آیا تھا وہ لکھتا ہے

« وتفسیر (؟) المولتان رجل من قریش من ولد سامة بن لوی بن غالب ...... وملک صاحب المولتان متوارثان قدیما منذ صدر الاسلام » [3]	ملتان کا والی ایک قریشی شخص ہے جو سامہ بن لوی بن غالب کے خاندان سے ہے .... اور ملتان کی حکومت اس خاندان میں قدیم زمانے سے ہے اور صدر اسلام سے ان کے ورثہ میں آئی ہے

یہ خاندان ملتان میں ۳۶۷ھ کے بعد تک قابض رہا کیوں کہ جب ۳۶۷ھ میں ابن حوقل یہاں آیا تو اس نے ملتان میں بنو سامہ ہی کی حکومت پائی جو سنّی تھے۔ وہ لکھتا ہے۔

۱؎ مروج الذہب و معادن الجوہر جلد اول ص۲۰۵ ۲؎ احسن التقاسیم ص۴۸۵ ۳؎ مروج الذہب جلد اول ص۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومخارج الملتان علی نصف فرسخ	ملتان سے باہر ۱½ میل کے فاصلے پر..... امیر کی
...... معسکر امیرٍ	چھاؤنی ہے...... جو سامہ بن لوی بن غالب کی
وھو من ولد سامہ بن لوی	اولاد میں سے ہے۔ وہ کسی کا محکوم نہیں ہے (خودمختار
بن غالب ولیس ھو فی طاعة	ہے) البتہ خطبہ بنو عباس کے نام کا پڑھتا ہے (سُنی ہے)
احدٍ وخطبته لبنی العباس[۱]	

لیکن جب ۳۷۵ھ میں مقدسی اس علاقے میں آیا تو اُس نے یہاں اسماعیلیوں کو حکمراں پایا۔ غرض ۳۶۷ھ اور ۳۷۵ھ کے درمیان بنو سامہ کا زوال ہوا اور اُن کی جگہ ملتان میں اسمٰعیلی حکومت قائم ہوئی۔

سندھ کا پہلا اسماعیلی داعی جس کا نام ہیثم تھا ۲۷۰ھ کے قریب یہاں آیا[۲]۔ اس کے بعد فاطمی دُعاۃ ملک میں انقلاب برپا کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ جب فضا سازگار ہوگئی تو ۳۶۷ھ اور ۳۷۰ھ کے درمیان فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے جلم بن شیبان کو فوجی امداد دے کر بھیجا۔ ملک انقلاب کے لئے تیار ہی ہو چکا تھا۔ جلم بن شیبان نے بنو سامہ کی سنی حکومت کو ختم کر کے اسماعیلی سلطنت کی بُنیاد ڈالی۔ اُسی نے ملتان کے قدیم بت کو توڑا اور اسماعیلی مذہب کی شدت سے تبلیغ کی۔

جلم کے بعد شیخ حمید تخت نشین ہوا۔ اس زمانہ میں غزنوی ترکوں نے ہندوستان پر حملے شروع کئے۔ ان حملوں کے دوران میں شیخ حمید نے خفیہ طور پر لشکرِ اسلام کو زک پہنچانے کی کوشش کی لہذا ۳۸۲ھ میں سبکتگین نے ملتان پر حملہ کیا مگر شیخ حمید نے صلح کرلی ۳۸۷ھ میں سبکتگین کے مرنے پر محمود اس کا جانشین ہوا۔ ۳۹۵ھ تک شیخ حمید اور اس کے جانشین صلح پر قائم رہے مگر بعد میں شیخ حمید کے پوتے داؤد بن نصر نے ایسی حرکتیں کیں کہ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی کو اُس کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا پڑی۔ ملّا نظام الدین ہروی نے لکھا ہے:

"گویند کہ چوں حاکم ملتان داؤد بن نصر از ملاحدہ بود سلطان را حمیت دین بداں داشت کہ او را نیز تادیب نماید پس بعزیمت ملتان سواری فرمود...... ہفت روز ملتان را محاصرہ نمود حاکم ملتان بر سالہ بسبت

---

[۱] کتاب صورۃ الارض لابن حوقل ص۳۲۲ [۲] نزہتہ الاذکار بحوالہ تاریخ سندھ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہزار درم قبول نمودہ اجرائے احکام شرعیہ را تعہد کردہ توبہ باز گشت نمود۔[1]

اس واقعہ کا معاصر عتبی ہے وہ لکھتا ہے

"قد کان بلغ السلطان یمین الدولہ وامین الملہ حال والی الملتان ابی الفتوح فی خبث نحلتہ ودخل دخلتہ وحس اعتقادہ وقبح الحادہ ودعائہ الی مثل رایہ اہل بلادہ فالف للدین من مقارتہ علی فظاعۃ شرہ وشناعۃ امرہ ... فثنی العنان الیہا مستعیناً باللہ علی ما احدث فی دینہ ... حتی افتتحہا عنوۃ وشحنہا عقاباً وسطوۃ والزمہم عشرین الف الف درہم"[2]

سلطان یمین الدولہ امین الملہ (محمود غزنوی) کو حاکم ملتان ابو الفتوح (امیر داؤد بن نصر) کا حال معلوم ہو چکا تھا نیز اسے اُس کی خباثتِ مذہبی، فسادِ باطن، بدعقیدگی اور الحاد کا پتہ چل گیا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنی رعایا کو اپنے مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے تو سلطان کی حمیت دینی نے نہ برداشت کیا کہ اُسے اُس کی بدکاری اور شرارت و شناعت پر آزاد چھوڑ دے ...... لہذا اُس نے اُس کی بدعتوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے نصرت و اعانت کی دعا مانگ کے اُس کی طرف عنانِ عزیمت منعطف کی ...... یہاں تک کہ ملتان کو بزورِ شمشیر فتح کیا اور اسے سطوت و سیاست سے بھر دیا اور اہلِ ملتان پر دو کروڑ درہم کا جرمانہ کیا۔

داؤد نے یہ صلح دب کر کی تھی اس لئے خفیہ طور پر قدیم پالیسی پر قائم رہا اس لئے مجبور ہو کر ۴۰۱ھ میں محمود نے ملتان پر دوبارہ حملہ کیا اور تہس نہس کر ڈالا۔ ملا نظام الدین نے لکھا ہے -

"سلطان غازی باز در سنہ احدی و اربعمائۃ از غزنین قصد ملتان نمودہ آنچہ از ولایت ملتان ماندہ بود بتمامی متصرف شد و قرامطہ و ملاحدہ کہ آنجا بودند اکثرے را کشت و دست ببرید۔ بعضے را بقلعہ بند کرد تا آنجا بمردند و دریں سال داؤد بن نصر را بغزنین برد و بقلعہ غورک فرستادہ محبوس داشت تا ہماں جا مرگ یافت۔"[3]

۱؎ طبقات اکبری ص۶ ۲؎ تاریخ یمینی ص۲۱۱-۲۱۲ ۳؎ طبقات اکبری ص۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندھ میں اسماعیلی حکومت یہاں سے خاسر و غائب ہو کر اسماعیلیوں نے منصورہ [سندھ] پر قبضہ کرلیا جہاں اُن کی حکومت ۴۱۶ھ تک قائم رہی۔ اس سال جب محمود سومنات سے واپس جارہا تھا تو منصورہ کے اسماعیلی حکمران خفیف کی شہ سے سندھ کے جاٹوں نے محمود کو بُری طرح پریشان کیا چنانچہ فرشتہ کہتا ہے:

"جٹانے کہ درکنار دریائے جودی واقع شدہ بودند در وقت مراجعت از سومنات بلشکر سلطان بے ادبیہا کردہ انواع آزار رسانیدہ بودند"[1]

محمود اصل وجہ کو جانتا تھا لہٰذا اس کے مستقل تدارک کے لئے اس نے ۴۱۷ھ میں منصورہ پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کر دیا۔ ابن خلدون لکھتا ہے

وقصد المنصورة وكان صاحبها	سلطان نے منصورہ کا ارادہ کیا یہاں کا والی مرتد ہوگیا
ارتد عن الاسلام ففارقها	تھا (قرمطی ہوگیا تھا) محمود کی آمد کی خبر سن کر وہ شہر
وتسرّب في غياض هناك	چھوڑ کر جنگل میں جا چھپا۔ لشکر سلطان نے اسے گھیر
فاحاطت عساكر السلطان	لیا انہوں کا پیچھا کر کے تباہ کر دیا۔ پھر سلطان بھاطیہ
بها وتتبعوهم بالقتل فافنوهم	چلا گیا۔
ثم سار الى بهاطيه"[2]	

ابن خلدون سے پہلے ابن الاثیر نے ۴۱۶ھ کے واقعات میں لکھا تھا

"وقصد المنصورة وكان صاحبها	(سومنات سے واپسی میں محمود نے) منصورہ کا قصد کیا۔
قد ارتد عن الاسلام فلما بلغه	یہاں کا حکمران اسلام سے پھر گیا تھا (قرمطی ہوگیا تھا)
خبر مجئ يمين الدولة فارقها	جب اُسے محمود کے آنے کی خبر ہوئی تو شہر چھوڑ کر گھنے
واحتمى بغياض اشبه فقصده	جنگلوں میں جا چھپا۔ سلطان نے دو طرف سے پیچھا کیا
يمين الدولة من موضعين	اور اسے و اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ اس کے اکثر

---

[1] تاریخ فرشتہ ص۳۵ [2] تاریخ ابن خلدون جلد رابع ص۳۷۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاحاط به ومن معه فقتلوا اکثرهم وغرق منهم کثیر ولم ینج منهم الا القلیل ثم سار الی بهاطیه فرحل الی غزنه ....."[1]

سا تھی مارے گئے اور بہت سے ڈوب گئے اور بہت کم بچے پھر سلطان بھاٹیہ ہوتا ہوا غزنی چلا گیا۔

اگلے سال محمود اُن سرکش جاٹوں کی تادیب و سرزنش کے لئے حملہ آور ہوا جنھوں نے سومنات سے لوٹتے وقت اسے پریشان کیا تھا اور اُنھیں بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ نظام الدین نے لکھا ہے

"و دریں سال سلطان بعزیمت مالش دادن جتانے راکہ در وقت مراجعت از سومنات بہ لشکر سلطان بے ادبیہا کردہ انواع آزار رسانیدہ بودند بالشکر عظیم بجانب ملتان رسید ...... ہمہ (جتان) ہمچناں غرق شدند و بقیہ کہ ماندند علف تیغ گشتند و لشکر سلطان بر سر عیال الیشان رفتہ ہمہ را اسیر ساختند۔"[2]

اس طرح بحر عرب سے ہمالیہ تک کا علاقہ محمود کے حیطۂ اقتدار میں آگیا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی

مذہبی حالت ۳۶۷ھ کے قریب ابن حوقل سندھ میں آیا اور یہاں کے معاشی و معاشرتی حالات کو قلمبند کیا۔ خاص سندھ [منصورہ] کے بارے میں لکھتا ہے:

"والمنصورة .... اهلها مسلمون ملکها من قریش من ولد هبار بن الاسود وقد تغلب علیهما اجداده وساسوهم سیاسة اوجبت رغبة الرعیة فیهم وایثارهم علی من سواهم غیر ان الخطبة لبنی العباس"[3]

منصورہ (سندھ) ..... یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ اُن کا بادشاہ قریشی النسب ہے جو ہبار بن الاسود کے خاندان کا ہے اس بادشاہ کے آباء و اجداد اس ملک پر قابض ہو گئے تھے اور اس خوش اسلوبی سے حکومت کی کہ رعایا میں ہر دل عزیز بن گئے اور اُس نے اُنھیں اُن کے حریفوں پر ترجیح دی۔ یہ بادشاہ خود مختار ہے مگر خطبہ بنو عباس کے نام کا پڑھتا ہے۔

ملتان کے بارے میں لکھتا ہے

---

[1] کامل ابن الاثیر جلد نہم ص ۱۱۱ [2] طبقات اکبری ص ۱ [3] کتاب صورۃ الارض لابن حوقل ص ۳۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفی أهلها رغبة فی القرآن وعلمه والاخذ بالمقاری السبعة والفقه وطلبه والعلم[1]

اہلِ ملتان قرآن اور علومِ قرآن کا شوق رکھتے ہیں۔ قرأت سبعہ حاصل کرنے کا رواج ہے۔ نیز فقہ کے شائق ہیں اور علم و ادب کی تلاش میں مشغول رہتے ہیں۔

ابن حوقل کے آٹھ سال بعد (۳۷۵ ہجری میں) مقدسی آیا۔ سندھ (منصورہ) میں ابھی سنی حکومت ہی قائم تھی اس لئے مذہب بھی سنی تھا مگر ملتان اسمٰعیلی انقلاب کا شکار ہو چکا تھا اور وہاں حکومت کے ساتھ ساتھ مذہب بھی شیعی (اسماعیلی) ہو چکا تھا۔ چنانچہ مقدسی اقلیم سندھ کی مذہبی حالت کے متعلق لکھتا ہے:

مذاهبهم: أكثرهم أصحاب الحديث ورأيت القاضي ابا محمد المنصوري داؤديا اماماً فی مذهبه وله تدريس وتصانيف قد صنف كتباً عدة حسنة واهل الملتان شيعة يهوعلون فی الاذان ويثنون فی الاقامة ولا تخلو القصبات من فقهاء على مذهب ابی حنيفة وليس به مالكية ولا معتزلة ولا عمل للحنابلة۔ انهم على طريقة مستقيمة ومذاهب محمودة وصلاح وعفة قد اراحهم الله من الغلو والعصبية والهرج والفتنة[2]

مذہب: اکثر لوگ اہلِ حدیث ہیں۔ میں نے قاضی ابو محمد منصوری کو دیکھا جو داؤدی مذہب کے امام ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے بہت سی اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اہلِ ملتان شیعہ ہیں جو اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں اور اقامت میں دو دو بار کلمات ادا کرتے ہیں کوئی شہر حنفی فقہاء سے خالی نہیں ہے۔ سندھ میں نہ مالکی ہیں نہ معتزلہ اور نہ حنبلیوں کا اثر ہے۔ لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔ نیک مذاہب کا اتباع کرتے ہیں۔ صلاح و عفت کے ساتھ متصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں غلو فی الدین، تعصب، ہرج اور فتنہ پردازی سے عافیت میں رکھا ہے

[1] کتاب صورۃ الارض لابن حوقل صفحہ ۳۲۲ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے ساتھ اخلاقی حالت بھی بہت اچھی تھی علم کا چرچا تھا۔ مقدسی خاص سندھ (منصورہ) کے بارے میں لکھتا ہے:

المنصورة هي قصبة السند	منصورہ سندھ کا پایہ تخت ہے ....
...... لهم مروة ولا سلام عندهم طراوة والعلم واهله كثير والتجارة ثم مفيدة ولهم ذكاء وفطنة ومعروف وصدقة[1]	... اہلِ منصورہ میں شرافت ہے اور اُن کے یہاں اسلام سرسبز و شاداب ہے علم اور علماء کا بڑا چرچا ہے۔ تجارت کا مرکز ہے۔ باشندے ذہین ہوشیار اور نیکوکار ہیں۔

ملتان کی اخلاقی حالت کے بارے میں لکھتا ہے:

"وليس عندهم زنا ولا شرب خمر ومن ظفروا به يفعل ذلك قتلوه اوحدّوه ولا يكذبون في بيع ولا يبخسون في كيل ولا يخسرون في وزن يحبون الغرباء"[2]	ان میں زناکاری اور مےخواری بالکل نہیں ہے۔ اگر کسی کو ایسا کرتے پکڑ لیتے ہیں تو مار ڈالتے ہیں یا حد شرعی جاری کرتے ہیں خرید و فروخت میں جھوٹ نہیں بولتے، ناپ میں کمی نہیں کرتے، تول میں کم نہیں تولتے۔ مسافروں سے محبت کرتے ہیں۔

مدارس تعلیم | ابن حوقل کہتا ہے کہ اہل ملتان علومِ قرآن بالخصوص قرأتِ سبعہ کا شوق رکھتے ہیں نیز فقہ اور دیگر علوم کی تحصیل کے شائق ہیں۔ مقدسی کہتا ہے کہ اہل منصورہ کے یہاں علم اور علماء کی بڑی کثرت ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی میں سندھ کی تعلیمی حالت بہت اچھی تھی۔ دنیائے اسلام کے دیگر علاقوں کی طرح یہاں بھی کثیر تعداد میں مدارس تھے چنانچہ مقدسی منصورہ کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ علم اور تجارت کا مرکز ہے۔ اُس نے یہاں کے مدارس میں سے ایک مدرسہ کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔ یہ منصورہ کے قاضی ابو محمد داؤدی کا مدرسہ تھا جس میں وہ خود درس دیتے تھے ["ولہ تدریس"]

مشاہیر اہل علم | اس علم کی فراوانی اور تعلیم کے رواج نے بہت سے مشاہیر اہلِ علم پیدا کئے جن کی

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۹ [2] ایضاً ص ۴۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلالتِ قدر سے متاثر ہو کر تذکرہ نویسوں نے دنیائے اسلام کے فحول علماء کے دوش بدوش اُن کا ذکر کیا۔ سندھ میں متعدد شہر تھے لیکن دو شہر بہت زیادہ مردم خیز تھے: دیول اور منصورہ دیول (دیبل) ایک قدیم ساحلی شہر تھا جسے سنہ ۹۲ھ میں محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا۔ منصورہ ایک جدید آبادی تھی جس کی بُنیاد محمد بن قاسم کے بیٹے عمر بن محمد بن قاسم نے سنہ ۱۲۰ھ کے قریب ڈالی تھی بعد میں یہ شہر سندھ زیریں کا پایہ تخت قرار پایا۔

تاریخ و تراجم کی کتابوں نے دیول کے حسب ذیل علماء کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔

ابو جعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی: سمعانی نے اُن کے متعلق لکھا ہے۔

"ساکن مکہ یروی کتاب التفسیر لابن عیینہ عن ابی عبید اللہ سعید بن عبد الرحمٰن المخزومی وکتاب البر والصلہ لابن المبارک عن ابی عبد اللہ الحسین بن الحسن المروزی عنہ یروی عن عبد الحمید بن صبیح ایضاً"[1]

مکہ معظمہ میں جا کر متوطن ہو گئے تھے۔ ابو عبید اللہ سعید بن عبد الرحمٰن المخزومی سے ابن عیینہ کی کتاب التفسیر کی اور ابو عبد اللہ حسین بن حسن مروزی سے ابن المبارک کی کتاب البر والصلہ کی روایت کی انھوں نے عبد الحمید بن صبیح سے بھی روایت حدیث کی ہے۔

اُن کے شاگردوں میں تین شخص مشہور ہیں۔ ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن فراس المکی، ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی بن المقری اور خود اُن کے ہم وطن ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن سعید الدیبلی۔

ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الدیبلی: سابق الذکر کے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ وغیرہما سے علم حدیث حاصل کیا۔

ابو القاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب بن بزیع بن سوار الدیبلی: ابن قطعان الدیبلی کے نام سے مشہور ہیں۔ سمعانی نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی ص ۲۳۶ ب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدم مصر وحدث بها قال ابو سعيد بن يونس كتبت عنه"[1]

وہ مصر میں آئے اور حدیث کا درس دیا۔ ابو سعید بن یونس کا کہنا ہے کہ میں نے اُن سے حدیث لکھی ہے

علی بن موسیٰ الدیبلی: دیبل کے مشاہیر محدثین میں سے تھے۔ ان کے تلامذہ میں سب سے مشہور اُن کے ہم وطن خلف بن محمد دیبلی تھے

خلف بن محمد الموازینی الدیبلی: سمعانی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے

"نزل بغداد وحدث بها عن علی بن موسى الديبلی روى عنه ابو الحسن احمد بن محمد بن عمران بن الجندی"[2]

بغداد میں آئے اور علی بن موسیٰ دیبلی کی مرویات روایت کیں۔ اُن سے ابو الحسن احمد بن محمد بن عمران بن الجندی نے روایت کی۔

ابو العباس محمد بن محمد بن عبد اللہ الوراق الدیبلی: سمعانی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"الزاهد وكان صالحاً عالماً ...... توفی فی شهر رمضان سنه ۳۴۶ صلى عليه ابو عمرو بن نجيد"[3]

زاہد صالح اور عالم تھے ...... رمضان ۳۴۶ھ میں وفات پائی ابو عمرو بن نجید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی

ابو العباس محمد نے ابو خلیفہ فضل بن حباب جمحی، جعفر بن محمد بن حسن فریابی، عبدان بن احمد بن موسیٰ عسکری، محمد بن عثمان بن ابی سوید بصری اور اُن کے معاصرین سے علم حدیث حاصل کیا۔ وہ حاکم ابو عبد اللہ کے استاد تھے۔

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن سعید الدیبلی: سمعانی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے

"من الغرباء الرحالة المتقدمين فی طلب العلم ومن الزهاد الفقراء العباد سكن نيسابور ايام ابی بكر

طلب علم میں بڑے سفر کرنے والوں میں سے تھے: زاہد و عابد فقراء میں محسوب ہوتے تھے۔ امام ابوبکر بن خزیمہ کے زمانہ میں نیشاپور میں متوطن ہو گئے تھے جسن بن یعقو

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی ط ۲۳۶ [2] ایضاً [3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد بن اسحٰق ابن خزیمہ وھو خانکاہ الحسن بن یعقوب الحدادی تزوج فی المدینۃ الداخلۃ وولد لہ وکان البیت فی الخانکاہ برسمہ ویاوی الی اھلہ فی المدینۃ بعد ان صلّی الصلوٰۃ فی المسجد الجامع وکان یلبس الصوف وربما مشیٰ حافیاً [1]

علادی کی خانقاہ میں (؟) انھوں نے اندرونِ شہر میں شادی کرلی تھی اور اولاد بھی ہوئی تھی۔ مکان خانقاہ ہی میں تھا۔ جامع مسجد میں نماز پڑھتے۔ پھر گھر میں آکر اہل وعیال کے ساتھ رہتے۔ پشمینہ پوش تھے اور اکثر برہنہ پا سفر کرتے۔

وہ علم حدیث کے بڑے مستعد طالب علم تھے۔ اس غرض سے انھوں نے دور دراز شہروں کا سفر کیا۔ بصرہ میں ابو خلیفہ قاضی سے، بغداد میں جعفر بن محمد فریابی سے، مکہ معظمہ میں مفضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہیم دیبلی سے، مصر میں علی بن عبدالرحمٰن اور محمد بن زبان سے، دمشق میں ابو الحسن احمد بن عمیر بن جوصا سے، بیروت میں ابو عبدالرحمٰن مکحول سے، حران میں ابو عروبہ حسین بن ابی معشر سے، تستر (شوستر) میں احمد بن زہیر تستری سے، عسکر مکرم میں عبدان بن احمد الحافظ سے، نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ سے، اور اسی طرح دوسرے محدثین سے۔ حاکم ابو عبداللہ الحافظ اُن کے بھی شاگرد ہیں۔ رجب ۳۴۳ھ میں شہر نیشاپور کے اندر وفات پائی اور مقبرہ حیرہ میں مدفون ہوئے۔

دیبل کے بعد دوسرا مردم خیز شہر منصورہ تھا جو اگرچہ بنا آباد ہوا تھا مگر تجارت کے ساتھ ساتھ علم کا بھی مرکز تھا۔ یہاں کی خاک سے بھی مشاہیر علمائے حدیث پیدا ہوئے۔

ابو العباس احمد بن محمد القاضی المنصوری: سمعانی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے

سکن العراق وفارس ویکنیٰ بابی العباس کان اماماً علی مذھب

عراق وفارس میں جاکر آباد ہوگئے تھے، ان کی کنیت ابو العباس تھی۔ داؤد ظاہری کے مذہب کے امام تھے

[1] کتاب الانساب للسمعانی ص ۲۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داؤد الاصبهانی سمع الاثرم وطبقتہ — اثرم اور ان کے اقران سے حدیث کی سماعت کی تھی

روی عنہ الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ"[1] — حاکم ابو عبد اللہ الحافظ اُن کے شاگرد تھے۔

ابن الندیم نے الفہرست میں اُن کا نسب نامہ بدینطور دیا ہے، ابو العباس احمد بن محمد بن صالح المنصوری اور لکھا ہے:

"علی مذہب داؤد من افاضل الداؤدیین ولہ کتب جلیلۃ حسنۃ کبار منہا کتاب المصباح کبیر، کتاب الهادی، کتاب النیر"[2]

داؤدی مذہب کے مشاہیر فضلا میں سے تھے۔ بہت سی جلیل القدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً کتاب المصباح (جو ضخیم ہے)، کتاب الہادی، کتاب النیر۔

ابو العباس احمد بن صالح التمیمی القاضی المنصوری: سمعانی نے انساب میں احمد بن محمد القاضی المنصوری (مذکور الصدر) کے فوراً بعد ابو العباس احمد بن صالح التمیمی القاضی المنصوری کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرے بزرگ ہیں۔ بہر حال ان کے بارے میں اُنھوں نے لکھا ہے:

"من اهل منصورۃ سکن العراق وکان اظرف من رأیت من العلماء سمع بفارس ابا العباس بن الاثرم وبالبصرۃ ابا روق الهمدانی"[3]

منصورہ کے رہنے والے تھے مگر عراق میں متوطن ہو گئے تھے۔ جن علماء سے میں ملا ہوں اُن میں سب سے زیادہ ظریف اور طباع تھے۔ فارس میں ابو العباس بن اثرم سے اور بصرہ میں ابو روق ہمدانی سے علم حدیث حاصل کیا۔

قاضی ابو محمد المنصوری: بشاری مقدسی نے احسن التقاسیم میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"رأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤدیا اماماً فی مذہبہ ولہ تدریس وتصانیف قد صنف کتباً عدۃ حسنۃ"[4]

میں نے قاضی ابو محمد منصوری سے ملاقات کی۔ وہ داؤدی مذہب کے امام ہیں۔ اُن کا ایک مدرسہ ہے اور وہ صاحب تصانیف ہیں۔ انھوں نے بہت سی اچھی اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی ص [illegible] ب [2] الفہرست لابن الندیم ص [illegible] [3] کتاب الانساب ص [illegible] ب
[4] احسن التقاسیم ص [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبدالحئی نے نزہۃ الخواطر میں ان تینوں منصوریوں کو ایک ہی بتایا ہے۔ بظاہر مقدسی کے قاضی ابو محمد منصوری اور سمعانی کے احمد بن محمد القاضی المنصوری کے مذہب اور تبحر فی علم الحدیث کی تفصیلات مشابہ ہیں اور اسی طرح مقدسی کے قاضی ابو محمد منصوری اور ابن الندیم کے ابو العباس احمد بن محمد بن صالح المنصوری میں اس اعتبار سے مشابہت ہے کہ دونوں بہت سی عمدہ کتابوں کے مصنف ہیں مگر اولاً تو کنیتیں مختلف ہیں۔ سمعانی اور ابن الندیم کے یہاں ابو العباس ہے اور مقدسی کے یہاں ابو محمد۔ ثانیاً سمعانی نے لکھا ہے کہ وہ عراق و فارس میں متوطن ہو گئے تھے اور مقدسی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انھیں سندھ میں درس و تدریس میں مشغول پایا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرۃ المنصوری المقری: حسب تصریح سمعانی انھوں نے حسن بن مکرم اور ان کے اقران سے علم حدیث حاصل کیا۔ حاکم ابو عبداللہ الحافظ ان کے بھی شاگرد تھے [1]

یہ فضلاء تو سندھ کی خاک سے پیدا ہوئے تھے لیکن دار الخلافہ سے بھی اہل علم آ آ کر سندھ کے علمی خاندانوں میں برابر اضافہ کرتے رہے۔ ابن الاثیر ۲۸۳ھ کے واقعات میں لکھتا ہے:

"وفیها فی شوال مات محمد بن ابی الشوارب القاضی وکانت ولایته القضاء بالمدینة المنصورة ستة اشهر" [2]	اور اسی سال شوال کے مہینے میں قاضی محمد بن ابی الشوارب نے وفات پائی وہ منصورہ میں چھ مہینے قاضی رہنے پائے تھے۔

قاضی محمد بن ابی الشوارب ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو عرصے تک مرکز خلافت میں عہدۂ قضا پر فائز رہا۔ محمد بن ابی الشوارب اگرچہ زیادہ عرصے سندھ میں زندہ نہ رہے مگر انھوں نے وہاں کے علمی خاندانوں میں ایک خاندان کا اضافہ کر دیا جو اپنی عالی نسبی کی بنا پر سندھ کے حکمراں خاندان کا کفو سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے [3]

دوسرا مشہور خاندان جس کے رشد و ہدایت سے عرصے تک اہل ہند فیض یاب ہوتے رہے شیخ

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۴۲ ب [2] کامل ابن اثیر جلد ششم ص [3] مروج الذہب جلد اول ص ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہاء الدین زکریا ملتانی کا ہے جو پہلے سندھ میں آباد تھا بعد ازاں ملتان میں منتقل ہو گیا۔

علم کلام سندھ کا عام مذہب اہل السنت والجماعت اور حنفیت تھا۔ منصورہ میں داؤد ظاہری کا مذہب بھی بہت مقبول ہوا ۳۴۲ھ سے یہاں شیعیت بالخصوص زیدیہ فرقے کی اشاعت ہوئی اسی زمانے میں خارجی بھی آئے مگر انھیں کوئی کامیابی نہ ہوئی ۳۷۵ھ سے قرمطی (اسماعیلی) مذہب کی خفیہ طور پر اشاعت ہونے لگی۔ بعد میں مملکتی سرپرستی میں ملتان کے اندر اس کی تبلیغ ہونے لگی جس کے انسداد کے لئے محمود غزنوی نے وہاں حملہ کیا۔ اس مذہبی تکثر و تعدد کے نتیجے میں علم کلام کی ترقی فطری تھی مگر تاریخ نے متکلمینِ سندھ کا کوئی تذکرہ محفوظ نہیں رکھا البتہ بزرگ بن شہریار کی تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۷۰ھ کے قریب بعہد امیر عبداللہ بن عمر بن عبد العزیز الہباری سندھ میں علم کلام (عقائد اسلامیہ) کی پہلی کتاب لکھی گئی۔ اُس سے ابو محمد حسن بن حمویہ نے کہا تھا

"کنت بالمنصورة فی سنة ثمان وثمانین
ومأتین وحدثنی بعض مشائخها
ممن یوثق به ان ملک الرا هو اکبر ملوک
بلاد الهند والناحیة التی هو بها بین
قشمیر الاعلی وقشمیر الاسفل وکان
یسمی مهروک بن رائق کتب فی سنة
سبعین ومأتین الی صاحب المنصورة
وهو عبد الله بن عمر بن عبد العزیز
یسأله ان یفسر له شریعة الاسلام
بالهندیة فاحضر عبد الله هذا رجلا
کان بالمنصورة اصله من العراق
حد الفهم حسن الفهم شاعرا فقد

میں ۲۸۸ھ میں منصورہ میں تھا اور وہاں کے ایک قابلِ اعتماد عالم نے مجھ سے ذکر کیا کہ الرور کا بادشاہ جو ہندوستان کے بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ ہے اور اُس علاقے کے راجاؤں میں جو کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے درمیان واقع ہے سب سے طاقتور ہے اور جس کا نام مہروک بن رائق (؟) ہے اُس نے ۲۷۰ھ میں منصورہ کے والی عبداللہ بن عمر بن عبد العزیز کو لکھا اور خواہش کی کہ ہندی زبان میں اُس کے لئے شریعت اسلام کی تفصیل بیان کر دے۔ اس پر عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو بلایا جو رہتا تو منصورہ میں تھا مگر اصل باشندہ عراق کا تھا اور جو بڑا ذہین اور فہیم تھا۔ اس کے ساتھ شاعر بھی تھا اور چوں کہ ہندوستان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشأ ببلاد الهند وعرف لغاتهم على اختلافها فعرفه ما سأله ملك الرا فعمل قصيدة وذکر فیها ما یحتاج الیه وانفذها الیه فلما قرئت علی ملک الرا استحسنها وکتب الی عبد اللہ یسأله حمل صاحب القصیدۃ فحمله الیه واقام عندہ ثلث سنین ثم انصرف عنه۔"[1]

اُس کی پرورش ہوئی تھی لہذا یہاں کی مختلف زبانوں سے واقف تھا۔ پس الرور کے راجہ کی خواہش اُسے بتائی گئی تو اُس نے ایک قصیدہ تیار کیا اور (شریعت اسلام) کی جملہ ضروریات کا اُس میں ذکر کیا۔ عبداللہ نے اس قصیدہ کو راجہ کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ قصیدہ راجہ کے سامنے پڑھا گیا تو اُس نے بہت پسند کیا اور عبداللہ کو لکھا کہ اس شاعر کو اُس کے دربار میں بھیج دیا جائے۔ عبداللہ نے اُس شاعر کو اُس کے پاس بھیج دیا اور وہ وہاں تین سال رہا پھر واپس آگیا۔

جب وہ عراقی شاعر لوٹ کر آیا تو والیِ سندھ نے راجہ کے بارے میں اُس سے دریافت کیا۔ شاعر نے جو تفاصیل بتائیں وہ بڑی دلچسپ ہیں۔

"اُس نے کہا میں اُسے اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ اُس کا دل اور زبان دونوں اسلام لا چکے ہیں مگر نعمتِ جاہ کے زوال اور سلطنت چھن جانے کے اندیشے سے وہ علی الاعلان اسلام کا اظہار نہیں کر سکتا منجملہ اور حکایات کے اُس نے یہ واقعہ بتایا کہ راجہ نے اُس سے قرآن حکیم کی ہندی زبان میں تفسیر بیان کرنے کی فرمائش کی، شاعر نے اُس کی تعمیل کی شاعر نے کہا جب میں سورۃ یٰسین کی تفسیر تک پہنچا اور میں نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر کی "من یحیی العظام وھی رمیم۔ قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم" اُس وقت وہ سونے کے تخت پر بیٹھا تھا جو بیش قیمت جواہرات اور موتیوں سے آراستہ تھا تو اُس نے مجھ سے دوبارہ اُس کی تفسیر کے لئے کہا جب میں دوبارہ اُس کی تفسیر کر چکا تو وہ اپنے تخت سے اُترا اور زمین پر کفوڑی دور چلا جو پانی چھڑکنے کی وجہ سے تر تھی پس اُس نے اپنا رخسارہ زمین پر رکھ دیا اور اتنا رویا کہ وہ رخسارہ گرد آلود ہو گیا۔ پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ بے شک

---

[1] عجائب الہند لبزرگ بن شہریار ص ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی پروردگار اور قابلِ پرستش معبود ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی چیز اُس کے مانند نہیں ہے۔ (اس کے بعد) اُس نے اپنے لئے ایک علیحدہ مکان بنوایا اور لوگوں سے ظاہر کیا کہ وہ وہاں تنہائی میں مہماتِ ملک پر غور کیا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ وہاں پوشیدہ طور پر نماز پڑھا کرتا تھا۔"[1]

اسلام تو اُس کی قسمت میں تھا ہی مگر اس توفیق کا سبب ظاہر عراقی شاعر کی یہ منظوم کتاب تھی۔ غرض سندھی زبان میں یہ پہلی اسلامی تصنیف تھی جس کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس طرح عقائدِ اسلامیہ پر پہلی کتاب ہندوستان میں ۲۷۰ھ میں تصنیف کی گئی اور اس کے ساتھ سرزمینِ ہند پر علمِ کلام کا آغاز ہوا۔

سمعانی نے "کتاب الانساب" میں علمائے سندھ کا ایک مختصر تذکرہ دیا ہے۔ ان میں ایک متکلم بھی ہیں اور چوں کہ اس تذکرے میں صرف یہی اکیلے سندھی متکلم ہیں لہذا قیاس مقتضی ہے کہ یہ متکلمینِ اسلام میں ایک نمایاں شہرت و اہلیت رکھتے ہوں گے کیوں کہ دنیائے اسلام کے عمومی تذکروں میں صرف انھیں علماء کو بار مل سکتا تھا جو غیر معمولی ذہانت و فطانت رکھتے ہوں۔ اس سندھی متکلم کا نام "ابو نصر الفتح بن عبداللہ" ہے۔ سمعانی نے لکھا ہے:

"الفقیہ ابو نصر الفتح بن عبد اللہ السندی کان فقیہاً متکلماً وکان مولی لآل الحکم ثم عتق وقرأ الفقہ والکلام علی ابی علی الثقفی"[2]

فقیہ ابو نصر فتح بن عبداللہ: فقیہ اور متکلم تھے۔ وہ پہلے آل حکم کے غلام تھے پھر آزاد ہو گئے انھوں نے ابو علی ثقفی سے فقہ اور کلام کی تعلیم حاصل کی۔

یاقوت نے معجم البلدان میں سندھی علماء کا تذکرہ اور بھی سرسری طور پر کیا ہے پھر بھی ابو نصر الفتح بن عبداللہ اور اُس کے متکلم ہونے کا ذکر ضرور کیا ہے[3] جس سے اُس کی شہرت و علمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سمعانی نے اُس کا سالِ وفات نہیں دیا مگر چوں کہ ابو نصر الفتح بن عبداللہ ابو علی ثقفی کے شاگرد تھے جو ابن سریج المتوفی ۳۰۶ھ کے معاصر تھے لہذا ابو نصر کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا نصفِ اول سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[1] عجائب الہند ص ۳ [2] کتاب الانساب ص ۳۱۳ [3] معجم البلدان جلد خامس ص ۱۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرکیف ابو نصر فتح بن عبداللہ عمرو بن عبید بن باب کے بعد سب سے قدیم ہندوستانی متکلم ہیں جن کا حال ہم تک پہنچا ہے۔ سمعانی نے عبداللہ بن حسین سے اُس کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ روایت کیا ہے۔

"ایک دن ہم ابو نصر سندی کے ساتھ جا رہے تھے ساتھ میں شاگردوں کا مجمع تھا اور ہم کیچڑ میں سے گزر رہے تھے۔ وہاں ایک شریف عرب بدمست پڑا تھا۔ جب اُس نے ہماری طرف دیکھا تو ابو نصر نے اُس کی بوئے شراب سونگھ لی۔ اُس بدمست عرب نے کہا اے غلام ایک طرف ہو کر چل تو دیکھتا ہے کہ میں تو زمین پر پڑا ہوں اور تو اس شان سے جا رہا ہے کہ تیرے پیچھے تیرے معتقدین کا یرجم غفیر ہے۔ ابو نصر نے کہا کہ اے شریف تو اس کا سبب بھی جانتا ہے۔ اُس کا سبب یہ ہے کہ میں نے تیرے بزرگوں کا طریقہ اختیار کیا اور تو نے میرے بزرگوں کا"[1]

---

[1] کتاب الانساب ص۳۱۰

"ندوۃ المصنفین کی تازہ ترین کتاب"

"صدیق اکبر رضی اللہ عنہ"

خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نہایت مفصل و مبسوط اور محققانہ تذکرہ جس میں آپ کے حالات و سوانح، عظیم الشان کارناموں، دینی اور سیاسی خدمات، مکارم و اخلاق اور عہد صدیقی کے تمام واقعات کے علاوہ اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، "صدیق اکبر" اپنے اسلوب بیان اور انداز تحقیق کے اعتبار سے ایک لاثانی کتاب ہے جس کی خصوصیتوں کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

صفحات تقریباً ۵۰۰ بڑی تقطیع کتابت و طباعت نہایت نفیس و دیدہ زیب۔

قیمت غیر مجلد سات روپے

مجلد آٹھ روپے۔

© rasailojaraid.com